

# عید کی مبارکباد کے حقیقی مستحق کون ہیں؟

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ



# عید کی مبارکباد کے حقیقی مستحق کون ہیں؟

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

## عید کی مبارکباد کے حقیقی مستحق کون ہیں؟

حضرات! اس مسئلے کی ضروری توضیح کے بعد اب میں آپ کو اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو عید کی مبارکباد دیتا ہوں۔ عید کی مبارکباد کے حقیقی مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان المبارک میں روزے رکھے، قرآن مجید کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی فکر کی، اس کو پڑھا، سمجھا، اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور تقویٰ کی اس تربیت کا فائدہ اٹھایا جو رمضان المبارک ایک مومن کو دیتا ہے۔ قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کی دوہی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ ان سے مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ  
 ”تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔“ دوسری یہ کہ مسلمان اس نعمت کا شکر ادا کریں جو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں قرآن مجید نازل کر کے ان کو عطا کی ہے۔ لَتَكْبُرُوا لِلَّهِ عَلَى مَا هَدَكُمُ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اس ہدایت پر جو اس نے تمہیں دی ہے۔“

دنیا میں اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی نعمت نوع انسانی پر اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کو نازل کرنا ہے۔ تمام نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے، اس لیے کہ رزق اور اس کے جتنے ذرائع ہیں، مثلاً یہ ہوا اور یہ پانی اور غلے اور اسی طرح معیشت کے جو ذرائع ہیں، جن سے انسان اپنے لیے روزی کماتا ہے، مکان بناتا ہے، کپڑے فراہم کرتا ہے، یہ

ساری چیزیں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہیں، لیکن یہ فضل و احسان اور اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں محض انسان کے جسم کے لیے ہیں۔ قرآن مجید وہ نعمت ہے جو انسان کی روح کے لیے، اس کے اخلاق کے لیے اور درحقیقت اس کی اصل انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں صحیح طور پر بجالا سکتا ہے جب کہ وہ اس کے دیے ہوئے رزق پر بھی شکر ادا کرے اور اس کی دی ہوئی اس نعمت و ہدایت کے لیے بھی شکر ادا کرے جو قرآن کی شکل میں اس کو دی گئی ہے۔ اس کا شکر ادا کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ آپ بس زبان سے شکر ادا کریں اور کہیں کہ اللہ تیرا شکر کہ تو نے قرآن ہمیں دیا، بلکہ اس کے شکر کی صحیح صورت یہ ہے کہ آپ قرآن کو سرچشمہ ہدایت سمجھیں، دل سے اس کو رہنمائی کا اصل مرجع مانیں اور عملاً اس کی رہنمائی کا فائدہ اٹھائیں۔

قرآن مجید آپ کو اپنی ذاتی زندگی کے متعلق ہدایت کرتا ہے کہ آپ کس طرح سے ایک پاکیزہ زندگی بسر کریں۔ وہ آپ کو ان چیزوں سے منع کرتا ہے جو آپ کی شخصیت کی نشوونما کے لیے نقصان دہ ہیں۔ وہ آپ کو وہ چیزیں بتاتا ہے جن پر آپ عمل کریں تو آپ کی شخصیت صحیح طور پر نشوونما پائے گی اور آپ ایک اچھے انسان بن سکیں گے۔ وہ آپ کی اجتماعی زندگی کے متعلق بھی مفصل ہدایات آپ کو دیتا ہے۔ آپ کی معاشرتی زندگی کیسی ہو، آپ کے گھر کی زندگی کیسی ہو، آپ کے تمدن اور آپ کی تہذیب کا نقشہ کیا ہو، آپ کی ریاست کن طریقوں پر چلے، آپ کا قانون کیا ہو، آپ کی معاشرتی زندگی کا نظام کیسا ہو، کن طریقوں سے آپ اپنی روزی حاصل کریں، کن راہوں میں آپ اپنی کمائی ہوئی دولت کو خرچ کریں اور کن راہوں میں نہ کریں۔ آپ کا تعلق اپنے خدا کے ساتھ کیسا ہو، آپ کا تعلق خود اپنے نفس کے ساتھ کیسا ہو، آپ کا تعلق خدا کے بندوں کے ساتھ کیسا ہو، اپنی بیوی کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ، اپنے

والدین کے ساتھ، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے معاشرے کے افراد کے ساتھ اور دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ، حتیٰ کہ جمادات اور حیوانات کے ساتھ اور خدا کی دی ہوئی تمام مختلف نعمتوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ زندگی کے ان سارے معاملات کے لیے قرآن مجید آپ کو واضح ہدایات دیتا ہے۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس کو اصل سرچشمہ ہدایت مانے، رہنمائی کے لیے اسی کی طرف رجوع کرے، ان احکامات و ہدایات اور ان اصولوں کو صحیح تسلیم کرے جو وہ دے رہا ہے، اور ان کے خلاف جو چیزیں بھی ہوں، اس کو رد کر دے، خواہ وہ کہیں سے آرہی ہو۔ اگر کسی شخص نے اس رمضان المبارک کے زمانے میں قرآن کو اس نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس کی تعلیم و ہدایت کو زیادہ سے زیادہ اپنی سیرت و کردار میں جذب کرے، تو اس نے واقعی اس نعمت پر اللہ کا صحیح شکر ادا کیا ہے۔ وہ حقیقت میں اس پر مبارک باد کا مستحق ہے کہ رمضان المبارک کا ایک حق جو اس پر تھا، اسے اس نے ٹھیک ٹھیک ادا کر دیا۔

رمضان المبارک کے روزوں کا دوسرا مقصد جس کے لیے وہ آپ پر فرض کیے گئے ہیں، یہ ہے کہ آپ کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ آپ اگر روزے کی حقیقت پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر ذریعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ روزہ مسلسل ایک مہینے تک آپ کو اسی چیز کی مشق کراتا ہے۔ جو چیزیں آپ کی زندگی میں عام طور پر حلال ہیں وہ بھی اللہ کے حکم سے روزے میں حرام ہو جاتی ہیں اور اس وقت تک حرام رہتی ہیں جب تک اللہ ہی کے حکم سے وہ حلال نہ ہو جائیں۔ پانی جیسی چیز جو ہر حال میں حلال و طیب ہے، روزے میں جب اللہ حکم دیتا ہے کہ یہ اب تمہارے لیے حرام ہے تو آپ اس کا ایک قطرہ تک حلق

سے نہیں اتار سکتے خواہ پیاس سے آپ کا حلق چٹختے ہی کیوں نہ لگے، البتہ جب اللہ پینے کی اجازت دے دیتا ہے اس وقت آپ اس کی طرف اس طرح لپکتے ہیں گویا کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا اور آپ بھی کھولے گئے ہیں۔ ایک مہینے تک روزانہ یہ باندھنے اور کھولنے کا عمل اسی لیے کیا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری بندگی و اطاعت کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس جس چیز سے وہ آپ کو روکتا ہے اس سے رکنے کی، اور جس جس چیز کا وہ آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بجالانے کی آپ کو عادت ہو جائے۔ آپ اپنے نفس پر اتنا قابو پالیں کہ وہ اپنے بے جا مطالبات اللہ کے قانون کے خلاف آپ سے نہ منوا سکے۔ یہ غرض ہے جس کے لیے روزے آپ پر فرض کیے گئے ہیں۔

اگر کسی شخص نے رمضان کے زمانے میں روزے کی اس کیفیت کو اپنے اندر جذب کیا ہے تو وہ حقیقت میں مبارک باد کا مستحق ہے اور اس سے زیادہ مبارک باد کا مستحق وہ شخص ہے جو مہینہ بھر کی اس تربیت کے بعد عید کی پہلی ساعت ہی میں اسے اپنے اندر سے اگل کر پھینک نہ دے بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ آپ غور کیجیے، اگر ایک شخص اچھی سے اچھی غذا کھائے جو انسان کے لیے نہایت قوت بخش ہو، مگر کھانے سے فارغ ہوتے ہی حلق میں انگلی ڈال کر اس کو فوراً اگل دے تو اس غذا کا کوئی فائدہ اسے حاصل نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ہضم ہونے اور خون بنانے کا اسے کوئی موقع ہی نہ دیا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص غذا کھا کر اسے ہضم کرے اور اس سے خون بن کر اس کے جسم میں دوڑے، تو یہ کھانے کا اصل فائدہ ہے جو اس نے حاصل کیا۔ کم درجے کی مقوی غذا کھا کر اسے جزو بدن بنانا اس سے بہتر ہے کہ بہترین غذا کھانے کے بعد استفراغ کر دیا جائے، ایسا ہی معاملہ رمضان کے روزوں کا بھی ہے۔ ان کا حقیقی فائدہ آپ اسی طرح اٹھا سکتے ہیں کہ ایک مہینے تک جو اخلاقی تربیت ان روزوں نے آپ کو دی ہے عید کے بعد آپ اس کو نکال کر اپنے اندر

سے پھینک نہ دیں، بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات کو اپنی زندگی میں کام کرنے کا موقع دیں۔ یہ فائدہ اگر کسی شخص نے اس رمضان سے حاصل کر لیا تو وہ واقعی پوری پوری مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت پائی۔

## شعائرِ دین کے ساتھ ہمارا معاملہ

ہمارے اندر بد قسمتی سے ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جو رمضان کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ رمضان آتا ہے اور گزر جاتا ہے مگر ان کے گھروں میں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہاں کچھ مسلمان بستے ہیں جن کے لیے یہ مہینہ کوئی خاص معنی رکھتا ہے۔ روزہ رکھنا تو درکنار اس کا احترام کرنے کی توفیق بھی ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ رمضان کے زمانے میں وہ اسی طرح اطمینان سے کھاتے اور پیتے رہتے ہیں جیسے کوئی عیسائی یا ہندو یا سکھ کھاتا پیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں ان کی مثال اس بنجر زمین کی سی ہے جس کے اندر بارش کا موسم آنے پر بھی جب کہ ہر طرف سبزہ زار پھیلا ہوتا ہے اور کھیتیاں پھلتی اور پھولتی ہیں، گھاس کا ایک تنکا تک پیدا نہیں ہوتا۔ بارش کا زمانہ جس طرح زمین کے لیے روئیدگی کا موسم ہے، ٹھیک اسی طرح رمضان المبارک روح اسلام کے لیے بالیدگی کا موسم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم اس شکل میں دیا ہوتا کہ مسلمانوں میں سے ہر شخص جب چاہے روزے رکھ کر تیس روزوں کی تعداد پوری کر لیا کرے تو ہماری دینی زندگی میں یہ موسم کی سی کیفیت کبھی پیدا نہ ہو سکتی تھی لیکن اس حکیم مطلق نے حکم اس شکل میں دیا کہ تمام مسلمان ایک ہی مہینے میں ایک ساتھ روزے رکھیں۔ اس چیز نے موسم کی سی کیفیت پیدا کر دی موسم جب آتا ہے تو اعلیٰ درجے کی زرخیز زمینوں کو چھوڑیے، جس زمین میں کچھ بھی روئیدگی کی صلاحیت ہوتی ہے، اس کے اندر سے بھی سبزی کی کونپلیں

پھوٹنے لگتی ہیں کیونکہ موسم کی برکت یہی ہے کہ روئیدگی کی ادنیٰ سے ادنیٰ صلاحیت رکھنے والی زمین بھی اس کے فیض سے محروم نہیں رہتی، اور جو زمین موسم آنے پر بھی ایک کونپل تک نہ نکالے اس کی یہ کیفیت اس بات کی صریح علامت ہوتی ہے کہ وہ قوت نمو سے بالکل خالی ہے۔ اسی طرح رمضان ایک ایسا زمانہ ہے کہ جس مسلمان کے اندر ایمان کی ایک رمتق اور اسلام کا کوئی ذرہ برابر جذبہ بھی موجود ہو، وہ گیارہ مہینے خواہ کیسا ہی بے حس رہا ہو، اس مہینے کے آتے ہی اس کے اندر کا سویا ہوا ایمان کروٹیں لینے لگتا ہے۔ ایک مہینے تک تمام مسلمانوں کا بیک وقت سحری کے لیے اٹھنا، سب کا ایک ساتھ دن بھر روزے رکھنا، ایک ہی وقت میں سب کا افطار کرنا اور راتوں کو جگہ جگہ تراویح پڑھنا، مسلمان کی بستیوں میں ایک زبردست اجتماعی ماحول پیدا کر دیتا ہے جس کی برکت سے مسجدیں بھر جاتی ہیں، ہر طرف تلاوت قرآن کا چرچا ہونے لگتا ہے، اور وہ لوگ بھی روزے رکھنے لگتے ہیں۔ جن کے اندر دوسرے دنوں میں دین سے کوئی خاص لگاؤ نہیں پایا جاتا اس ماحول میں بھی اگر کوئی شخص بالکل غیر متاثر رہتا ہے، خدا کی طرف کوئی رجوع اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا، نماز روزے اور تلاوت قرآن کے لیے کوئی رغبت اس کے دل میں نہیں ابھرتی، تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کا دل جذبہ ایمانی سے قطعاً خالی ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا ہے۔ خدا اس کے دین کے ساتھ اور مسلمانوں کی ملت کے ساتھ جتنے روابط ہو سکتے تھے، ان سب کو اس نے کاٹ پھینکا ہے۔ اس کے بعد آپ کیا بھروسہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی مسلمانوں کے اندر پیدا ہو کر مسلمانوں کی ملت میں آنکھیں کھول کر مسلمان معاشرے کا ایک جز ہو کر، اس قوم کے دین اور اس کے نظام حیات ہی سے اپنے مقدس ترین تعلقات اور روابط کو اس طرح کاٹ سکتا ہے، وہ کل اس قوم کے ساتھ کوئی غداری اور خیانت نہ کر بیٹھے گا، ظاہر بات ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کی بندگی ہی میں تو یہ طرز عمل اختیار



کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اس کی خواہشات اس سے یہ کچھ کرا سکتی ہیں تو کل یہی خواہشات اس سے اور کیا کچھ نہ کرا سکیں گی۔

حضرات، ہمیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ یہ صورت حال ہمارے ہاں آخر کیوں پیدا ہوئی ہے۔ اگر چند آدمی ہی اس میں مبتلا ہوتے تو اسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ مگر یہاں تو ہزاروں لاکھوں آدمی ہمارے اندر ایسے موجود ہیں جو اعلانیہ اور فخریہ رمضان میں کھاتے پیتے رہتے ہیں اور الٹا روزہ داروں کو شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ فی الواقع بڑی تشویش کی بات ہے اور ہمیں اس کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ صورت حال دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ہم نے ایک مدت سے اس بات کی پروا کرنی چھوڑ دی ہے کہ ہمارے اندر جو اصلاح عظیم اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب نے کی تھی وہ ہمارے معاشرے میں باقی رہتی ہے یا ضائع ہو جاتی ہے ہمیں اپنی قوم کی دنیا بنانے کی تو بڑی فکر رہی ہے اور اس کے لیے ہم بڑی تگ و دو کرتے رہے ہیں، مگر اس عظیم الشان اخلاقی و روحانی اصلاح اور اس زبردست دینی نظام کو برقرار رکھنے کی کوئی فکر ہمیں نہیں رہی جس پر ہماری ملت کے معاشرے کو قائم کیا گیا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس ہمارے ہاں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت اور قانون و ضابطہ کا وہ نظام کارفرما رہا ہے جو اس ڈھانچے کو منہدم کرنے والا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے عظیم ترین مقدمات کے پامال ہونے کی ہماری بااثر طبقے اتنی بھی پروا نہیں کرتے جتنی اپنی پتلون کی شکن خراب ہو جانے کی کرتے ہیں۔

لاتفسدو فی الارض بعد اصلاحها

حضرات! انسان کی اصلاح ایک بڑا مشکل کام ہے، اس کو بگاڑنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، اصلاح کرنی ہو تو سالہا سال کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے ہوتی ہے۔

بگاڑتا ہو تو اس کے لیے کوئی خاص محنت و کوشش درکار نہیں ہوتی۔ بسا اوقات صرف سعی اصلاح سے غفلت ہی اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ آپ ایک بچے ہی کی مثال لے لیجیے۔ اس کو آپ ایک اچھا اور پاکیزہ انسان بنانا چاہیں تو آپ کو برسوں اپنی جان کھپانی پڑے گی تب کہیں اس کے ذہن اور عادات اور خصائل کو آپ سنوار سکیں گے لیکن اگر آپ چاہیں کہ وہ بگڑے تو اس کے لیے کسی خاص کوشش کی حاجت نہیں ہے صرف باگیں ڈھیلی چھوڑ دینا کافی ہے، معاشرے میں ہر طرح کے لچوں لہنگوں کے ساتھ چل پھر کر وہ خود بگڑ جائے گا۔ محنت اور کوشش کی ضرورت ترقی کے لیے ہوتی ہے نہ کہ تنزیل کے لیے۔ آپ کسی گاڑی کو بلندی پر لے جانا چاہیں تو بڑی طاقت صرف کیے بغیر وہ اوپر نہ چڑھ سکے گی۔ نشیب کی طرف جانا چاہیں تو صرف بڑیک ڈھیلا چھوڑ دیجیے۔ گاڑی خود لڑھکے گی اور جہاں تک نشیب ملے گا لڑھکتی چلی جائے گی۔ ایسا ہی معاملہ انسانی معاشرے کا ہے۔ کسی معاشرے کو درست کر کے ایک اعلیٰ درجے کے نظام فکر و عمل کا پابند بنانا بڑا محنت طلب کام ہے جس کے لیے صدیوں کی کوششیں درکار ہوتی ہیں، مگر ان کوششوں کے ثمرات و نتائج کو ضائع کرنے کے لیے صرف اتنی بات بھی کافی ہو سکتی ہے کہ آپ ان کو قائم و برقرار رکھنے کی کوشش چھوڑ دیں اور جو بگاڑ بھی معاشرے میں پھیلتا نظر آئے اس کی پروا نہ کریں۔ مسلمانوں میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں وہ کچھ یونہی اتفاقاً نہیں پیدا ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور ان کے بعد امت کے صلحا و اتقیا اور علما و فقہانے صدیوں کی عرق ریزی و جانفشانی سے کروڑوں انسانوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالا۔ اخلاق کی پستتوں سے اٹھایا، جاہلیت کی رسموں اور طور طریقوں کو مٹایا، خدائے واحد کی بندگی کے لیے ان کو تیار کیا۔ آخرت کی باز پرس کا عقیدہ ان کے دلوں میں بٹھایا۔ اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تربیت دے کر ایک خاص کیرکٹر ان کے اندر پیدا کیا۔ نماز اور روزے اور حج و زکوٰۃ

جیسی پاکیزہ عبادات ان میں رائج کیں اور اسلامی نظام تہذیب و تمدن کا ایک مضبوط سانچا تیار کر دیا جس کی بدولت مسلمان ان خوبیوں سے آراستہ ہوئے جو دوسروں کے لیے قابل رشک تھیں۔ یہ جو کچھ صد ہا برس کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے بنا ہے اس کو ہم ضائع اور برباد کرنا چاہیں تو آسانی سے کر سکتے ہیں۔ لیکن اسے پھر تعمیر کرنا چاہیں تو پھر صدیاں ہی اس کے لیے درکار ہوں گی۔

یہ ہماری انتہائی بد قسمتی ہے کہ ہمارے اسلاف نے سیکڑوں برس کی محنتوں سے ہمارے اندر جو اصلاح کی تھی اس کو ہم نے پچھلے ایک صدی کے اندر بری طرح ضائع کیا ہے۔ پہلے انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں وہ بہت کچھ ضائع ہوئی اور اب ان کی غلامی ختم ہو جانے کے بعد خود اپنے حکمرانوں کے دور میں ہم اس کو پہلے سے بھی زیادہ ضائع کر رہے ہیں۔ یہ وہی غلطی ہے جس پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ ”لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا“ زمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد اس میں بگاڑ پیدا نہ کرو، روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کے نیک انسانوں کی ہزار ہا برس کی کوششوں سے ہوئی ہے۔ ایک ایک برائی کا سدباب کرنے اور ایک ایک بھلائی کو قائم کرنے میں خدا کے صالح بندوں کو صد ہا برس محنت کرنی پڑی ہے تب جا کر دنیا میں کچھ عالمگیر اخلاقی ضوابط پر انسانی تہذیب کی تعمیر ہو سکی ہے۔ اس تعمیر کو برباد تو آسانی سے کیا جاسکتا ہے، مگر پھر سے اس کو تعمیر کر دینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ایک معمولی مثال دیکھیے، صرف یہ بات کہ عورت اور مرد کا تعلق نکاح کے سوا کسی اور صورت میں نہ ہو، انسان کو اس کا قائل کرنا اور اس کا خوگر بنانا اور معاشرے میں اس کو ایک مسلم ضابطے کی حیثیت سے رائج دینا اتنا مشکل کام تھا کہ انبیا علیہم السلام اور صالحین نوع انسانی کو اس کے لیے ہزار ہا برس تک کوشش کرنی پڑی ہوں گی تب کہیں دنیا میں یہ ایک اصلاح نافذ کی جاسکی ہوگی۔ اس لیے کہ انسان میں

جنسی انارکی کی طرف ایسا زبردست میلان موجود ہے کہ اسے ایک اخلاقی ضابطہ کا پابند بنادینا کوئی آسان کام نہیں ہے اس اصلاح کو ضائع کر دینے کے لیے کسی بڑی محنت کی ضرورت نہیں۔ عورتوں اور مردوں میں آزادانہ اختلاط کی راہیں کھول دیجیے اور خاندانی منصوبہ بندی کے ذرائع و وسائل عام لوگوں کی دسترس تک پہنچا دیجیے، جنسی انارکی کا دیو جسے مشکل سے باندھا گیا تھا، ایک دفعہ کھل جانے کے بعد دیکھتے دیکھتے اس ساری اصلاح کو غارت کر دے گا جو ہزار برس کی کوششوں سے ہوئی تھی، لیکن اس کے تباہ کن نتائج سامنے آنے کے بعد، جس طرح کہ آج وہ مغربی معاشرے کے سامنے انتہائی بھیانک صورت میں آرہے ہیں، آپ اگر چاہیں کہ پھر اس دیو کو قید کر دیں، تو یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ اس کے لیے پھر صد ہا برس ہی کی محنتیں درکار ہوں گی۔ اسی لیے قرآن مجید انسانیت کے غارت گروں کو متنبہ کرتا ہے کہ زمین میں جو اصلاح بڑی مشکلوں سے ہوئی ہے اس کو تم اپنی حماقتوں سے برباد نہ کرو۔

اسی ایک مثال پر آپ قیاس کر لیجیے کہ جس عظیم الشان عمارت کا نام اسلامی تہذیب و تمدن ہے، اس کی تعمیر کس مشکل سے ہوئی ہوگی۔ کتنی جہالتوں اور گمراہیوں کو مٹا کر اور کتنی برائیوں کا سدباب کر کے اس کے لیے زمین صاف کی گئی ہوگی، کتنی جانفشانیوں سے صحیح عقائد اور صحیح خیالات ذہنوں میں بٹھائے گئے ہوں گے کیا کچھ محنتیں اخلاقی حدود اور ضوابط کو معاشرے میں عملاً قائم کرنے پر صرف کی گئی ہوں گی اور پھر اس پوری عمارت کو سہارنے کے لیے اسلامی نظام زندگی کے یہ پانچ ستون۔ شہادت، توحید، نماز، روزہ اور حج، مضبوطی کے ساتھ جمائے گئے ہوں گے۔ یہ جو کچھ بنا ہے، ہمارے اسلاف کی بے حد و حساب کوششوں سے بنا ہے، اور عظیم سرمایہ ہمیں میراث میں مفت مل گیا ہے، اس کو اگر ہم ترقی نہیں دے سکتے تو کم از کم اسے برباد نہ کرنا چاہیے۔ ہمارا نظام تعلیم و تربیت، ہمارا لٹریچر، ہمارا تصور ثقافت اور بحیثیت مجموعی ہمارے

قوانین اور نظم و نسق اور معیشت و معاشرت کا پورا نظام جس رفتار سے اس سرمائے کی ناقدری کرنے والے اور اس کو برباد کرنے والے لوگ روز بروز زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیدا کر رہا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے کچھ بعید نہیں کہ ایک روز ہم اس کو بالکل کھودیں گے، اور اگر ایک دفعہ ہم نے اسے کھودیا تو پھر اسے از سر نو حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہ ہوگا، خدا نہ کرے کہ وہ وقت آئے، اور خدا کرے کہ اس کے آنے سے پہلے ہی ہم سنبھل جائیں۔

(بشکر یہ ترجمان القرآن لاہور)

\*\* --- ختم شد --- \*\*